آنحضور ﷺ کی زندگی کے بارے میں مستشرقین کے نقطہ نظر پر برصغیر کے سیرت نگاروں کا اسلوب تنقید

*رضیہ شبانہ

**نورالدین جامی

Abstract

Countless books have been written on the biography of the Prophet Mohammad (PBUH) in different languages, but these books were written under veneration. This method is important in terms of imploring study but logical importance on this style is not significant. That's why the importance of these books is worthless than those books written by the Muslims. In this article researcher tried to clear that how seerah reporters of subcontinent took critical analysis against the orientalists by the subject. In the sub-continent Sir Syed Ahmed Khan took initiative against this phenomenon, Sir Syed put his sincere efforts to start intellectual movement against the Istashraq movement which got vaster development later. Justice Ameer Ali and Abul Kalam Azad in this regard are of considerable. The figure in the Contemporary Justice Pir Karam Shah Al-Azhari is entered in present period. The last two volumes of Zia-un-Nabi exposed the facts of Istashraq, any other book in Urdu is impossible to find an example like this.

So, this article is based on the intemperance of orientalist's on Islam and justifications of the Muslim Seerah reporters of Subcontinent.

تعارف:

بیسویں صدی کا عہد یورپی ومغربی استعماریت کے سیاسی وتہذیبی غلبہ واثرات سے عبارت ہے۔ عالمی

*ریسرچ ایسوسی ایٹ، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی ملتان۔

**پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی ملتان۔

جنگوں کے اصل متاثرین مسلمان تھے یہ ایک پُر آشوب دور تھا۔ برصغیر کے مسلمانوں نے اس پُر آشوب دور میں اپنے پیغمبر اسلام ﷺ کی ذات اقدس کو اپنے لئے جائے عافیت سمجھا اور ان کے دامن کو تھام کر مستقبل کا سفر شروع کیا۔ چنانچہ علی گڑھ سے دیوبند تک اور ندوۃ العلماء سے دارالمصنفین تک سیرت سے روشنی اور رہنمائی حاصل کی گئی۔ علماء اور مورخین نے سیرت نگاری کو نیا اسلوب دیا۔ علامہ شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی کی ''سیرۃ النبی ﷺ'' اور ''خطبات مدراس'' پروفیسر نواب علی کی ''سیرت رسول اللہ ﷺ'' مولانا حکیم ابوالبرکات عبدالرؤف دانا پوری کی ''اصح السیر'' مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی ''سیرت المصطفیٰ ﷺ'' مناظر احسن گیلانی کی ''النبی الخاتم ﷺ'' اور چوہدری افضل حق کی ''محبوب خدا'' سمیت درجنوں کتب سیرت نے مطالعہ سیرت میں ایک انقلاب برپا کر دیا اور نگارشات سیرت کا رنگ اور آہنگ یکساں نہ تھا۔ انداز اور سوچ بھی مختلف تھا۔ چنانچہ سیرت نگاری کے نئے رجحانات بھی سامنے آئے۔ ذیل میں ہم استشراق کا معنی ومفہوم واضع کرنے کے بعد مستشرقین کا سیرت رسول ﷺ کے مختلف پہلوؤں پر اعتراضات کے جواب میں برصغیر کے ان سیرت نگاروں کے اسلوب کا تنقیدی جائزہ پیش کریں گے۔

استشراق لغوی مفہوم:

استشراق کی جو تعریف عام طور پر مشہور ہے وہ یہ ہے۔

''غیر مشرقی لوگوں کا مشرقی زبانوں، تہذیب، فلسفے، ادب اور مذہب کے مطالعے میں مشغول ہونے کا نام استشراق ہے۔''(1)

اس تعریف کی رو سے جو غیر مشرقی عالم، مشرقی علوم کیلئے اپنے آپ کو وقف کرے گا اسے مستشرق کہا جائے گا۔

آکسفورڈ کی جدید ڈکشنری میں مستشرق کی جو تعریف کی گئی ہے وہ یہ ہے۔

''مستشرق وہ ہے جو مشرقی علوم وآداب میں مہارت حاصل کرے۔''(2)

المنجد میں مستشرق کا مفہوم یہ بتا گیا ہے:

''**العالم باللغات والاداب والعلوم الشرقية والاسم الاستشراق**''.(3)

یعنی مشرقی زبانوں، آداب اور علوم کے عالم کو مستشرق کہا جاتا ہے اور اس علم کا نام استشراق ہے۔

ان تعریفوں میں سے کوئی تعریف بھی ایسی نہیں جو صدیوں سے موجود، استشراق کی فعال اور متحرک تحریک کے مقاصد اور عملی پہلوؤں پر صحیح روشنی ڈالتی ہو۔

مشرق کا لفظ بذات خود وضاحت طلب ہے۔ مشرق ومغرب کے مفہوم میں تبدیلیاں بھی واقع ہوتی رہی

ہیں۔قرون وسطیٰ بلکہ ازمنہ قدیمہ میں بحیرہ روم کو دنیا کا مرکز قرار دیا جاتا تھا اور جہتوں کا تعین اسی کے حساب سے ہوتا تھا۔اس کے مشرقی اطراف میں واقع علاقوں کو مشرق اور اس کے مغرب میں واقع علاقوں کو مغرب سے تعبیر کیا جاتا تھا۔اگر ہم مشرق ومغرب کے اس مفہوم کو تسلیم کرلیں تو بھی بات واضح نہیں ہوتی اور نہ ہی مشرق کے اس مفہوم کی رو سے مستشرق کی مندرجہ بالا تعریف جامع ومانع رہتی ہے۔

مستشرق کی اس تعریف کی رو سے حضرت عیسیٰؑ اور دین مسیح کا تعلق مشرق سے ہوجاتا ہے۔اس صورت میں جو مغرب عالم حضرت عیسیٰؑ کی زبان آپ کی سیرت، آپ کے مذہب اور دیگر مساعی کے مطالعہ کے لئے اپنی زندگی وقف کردے۔اسے مستشرق کا لقب دیا جانا چاہیے۔لیکن عملاً ایسا نہیں ہے۔

بائبل کے دونوں حصوں عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید میں جتنے واقعات اور حالات کا بیان ہے ان میں سے اکثر کا تعلق مشرق سے ہے۔لیکن بائبل کے علوم کے ماہر کو کوئی بھی مستشرق نہیں کہتا۔یہ ایک حیران کن حقیقت ہے کہ وہ علمی مصادر میں مستشرقین کے مساعی کا نتیجہ ہیں۔وہ یا تو اس تحریک کے بارے میں کلیتہً خاموش ہیں اور اگر وہاں (Orientalism) یا (Orientalist) کا کوئی ذکر ملتا بھی ہے تو وہ انتہائی ناکافی اور باہم مختلف ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ جس طرح مستشرقین اپنے مقاصد کو پوشیدہ رکھنے کی حکمت عملی پر کاربند ہیں اسی طرح وہ اپنے نام کی بھی تشہیر نہیں چاہتے۔یہ تحریک صدیوں مصروف عمل رہی لیکن اس تحریک کا کوئی باضابطہ نام نہ تھا۔اربری کہتا ہے کہ "Orientalist" کا لفظ پہلی مرتبہ 1630ء میں مشرقی یا یونانی کلیسا کے ایک پادری کے لئے استعمال ہوا۔(4)

روڈنسن کہتا ہے کہ "Orientalism" یعنی استشراق کا لفظ انگریزی زبان میں 1779ء میں داخل ہوا اور فرانس کی کلاسیکی لغت میں استشراق کے لفظ کا اندراج 1838ء میں ہوا۔حالانکہ عملی طور پر تحریک استشراق اس سے کئی صدیاں پہلے وجود میں آچکی تھی اور پورے زوروشور سے مصروف عمل تھی۔(5)

ڈاکٹر احمد عبدالحمید غراب نے اپنی کتاب ''رویۃ اسلامیۃ للاستشراق'' میں کچھ تعریفیں لکھی ہیں۔جن میں سے چند ایک پیش خدمت ہیں۔

1۔ استشراق مغربی اسلوب فکر کا نام ہے۔جس کی بنیاد مشرق ومغرب کی نسلی تقسیم کے نظریہ پر قائم ہے جس کی رو سے اہل مغرب کو اہل مشرق پر نسلی اور ثقافتی برتری حاصل ہے۔(6)

یہ تعریف گو ہر مستشرق کی ذہنی کیفیت کو ظاہر کرتی ہے لیکن اس تعریف کی رو سے اگر دیکھا جائے تو آج سارا یورپ اور امریکہ مستشرق کہلائے گا۔کیونکہ جب سے مغرب نے صنعتی اور عسکری میدان میں ترقی کی ہے اور

ایک عرصہ انہوں نے اہل مشرق کو زیر نگیں رکھا ہے اس وقت سے سارا مغرب اسی انداز میں سوچتا ہے۔اس صورت میں یہ تعریف استشراق کی تحریک کو سمجھنے کے لئے مفید ثابت نہیں ہوسکتی۔

2۔ استعماری مغربی ممالک کے علماء اپنی نسلی برتری کے نظریے کی بنیاد پر، مشرق پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے اس کی تاریخ، تہذیبوں، ادیان، زبانوں، سیاسی اور اجتماعی نظاموں، ذخائر دولت اور امکانات کا جو تحقیقی مطالعہ غیر جانبدارانہ تحقیق کے بھیس میں کرتے ہیں اسے استشراق کہا جاتا ہے۔

3۔ استشراق اس مغربی اسلوب کا نام ہے جس کا مقصد مشرق پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے اس کی فکری اور سیاسی تشکیل نو کرنا ہے۔(7)

آخری دونوں تعریفیں گو مستشرقین کے استعماری اور استحصالی ارادوں کا پتہ دیتی ہیں لیکن ان کے سینوں میں چھپی ہوئی اس حقیقی خواہش کی طرف اشارہ نہیں کرتیں جس کا پردہ ہمارے علیم وخبیر رب نے صدیوں پہلے چاک کر دیا تھا۔

''**ودت طائفة من اهل الكتب لو يضلونكم وما يضلون الاانفسهم وما يشعرون**''(8)

''اہل کتاب کا ایک گروہ دل سے چاہتا ہے کہ تمہیں گمراہ کر دیں مگر وہ اپنے آپ کے علاوہ کسی کو گمراہ نہیں کرتے اور وہ اس حقیقت سے واقف نہیں''۔

ڈاکٹر احمد عبدالحمید غراب نے مندرجہ بالا تعریفیں معہ تبصرہ ذکر کرنے کے بعد استشراق کی جو تعریف خود کی ہے وہ یہ ہے:

''مغربی اہل کتاب، مسیحی مغرب کی اسلامی مشرق پر نسلی اور ثقافتی برتری کے زعم کی بنیاد پر، مسلمانوں پر اہل مغرب کا تسلط قائم کرنے کے لئے مسلمانوں کو اسلام کے بارے میں گمراہی اور شک میں مبتلا کرنے اور اسلام کو مسخ شدہ صورت میں پیش کرنے کی غرض سے، مسلمانوں کے عقیدہ، ثقافت، شریعت، تاریخ، نظام اور وسائل وامکانات کو جو مطالعہ غیر جانبدارانہ تحقیق کے دعوے کے ساتھ کرتے ہیں اسے استشراق کہا جاتا ہے۔''(9)

یہ تعریف گو مستشرقین کے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں عزائم کا پردہ چاک کرتی ہے۔لیکن اس تعریف میں ایک تو مشرق کے لفظ کو وہ اہمیت نہیں دی گئی جس کا وہ مستحق ہے کیونکہ اسی کی بنیاد پر مستشرقین کو مستشرقین کہا جاتا ہے۔اس تعریف میں دوسری خامی یہ ہے کہ اس کی رو سے تمام مستشرقین ایک ہی زمرے میں شمار ہو جاتے ہیں۔حالانکہ مستشرقین کو بڑی آسانی سے کئی گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔اس تعریف میں تیسری خامی یہ ہے کہ جو مستشرقین اسلام کے علاوہ دیگر مشرقی علوم اور تہذیبوں کے میدان میں مصروف عمل ہیں وہ مستشرقین کے دائرے

سے خارج ہو جاتے ہیں حالانکہ معروف معنوں میں وہ مستشرق ہیں۔

مستشرقین کی پوری تاریخ پر ایک عمومی نظر ڈالی جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تحریک استشراق، اپنی حقیقت و ماہیت میں چونکہ اسلام کے خلاف ہے اور ہر دور کے (غیر مسلم) مستشرقین کی تمام سرگرمیاں اپنے علمی تنوع کے باوجود، چونکہ اسلام، پیغمبر اسلام، اسلامی تاریخ اور اسلامی علوم وفنون کے حوالہ سے بہر حال معاندانہ رہی ہیں اور چونکہ مستشرقین کی پوری جماعت میں شامل افراد اپنی اصل ونسل میں یہودی ہیں یا عیسائی، اس لئے یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ اسلام اور یہودیت وعیسائیت کے مابین آویزش کے ساتھ ہی استشراقی جذبہ وفکر کی نمو ہوگئی تھی۔ تاہم اپنے مخصوص فنی واصطلاحی معنوں میں اور اطلاقات کے لحاظ سے دیکھا جائے تو نظر آتا ہے کہ تحریکِ استشراق کا باقاعدہ آغاز مستشرقین کی علمی وتحقیقی سرگرمیاں بہت بعد میں شروع ہوئیں۔(10)

رد استشراق پر سرسید احمد خان کا نقطہ نظر:

لاہور ڈیونٹی کالج کے پرنسپل ریورنڈ ہوپر نے خطبات احمدیہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے ایک موقع پر یہ کہا کہ:

''ہمارے نزدیک جو کام سرسید احمد خاں نے اسلام کی حمایت کا کیا ہے، وہ آج تک کسی مسلمان سے بن نہیں آیا، جب کہ مسلمان اسلام کے سوا سب مذہبوں کو باطل یا غلط سمجھتے ہیں اور اسلام کا ماننا تمام بنی آدم پر فرض جانتے ہیں، تو ان کا فرض تھا کہ جن کو وہ گمراہ سمجھتے تھے، ان پر اسلام کی حقیقت اور اس کی خوبی ظاہر کرتے، ان کے ملکوں میں جا کر انہی کی زبان میں وعظ کہتے، اور ان ہی کی زبان میں اسلام کی حمایت پر کتابیں لکھتے۔ میں نہیں جانتا کہ تیرہ سو برسوں میں سید احمد خاں سے پہلے کسی ایک مسلمان نے بھی ایسا کام کیا ہو''۔(11)

سر ولیم میور سے پہلے مستشرقین، اسلام کے روحانی اور الہامی پہلو پر اپنا زور تحقیق صرف کر رہے تھے، لیکن اس نے تاریخی شہادتوں کے ذریعہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اسلامی تعلیمات، جدید دور کی شائستگی، تمدن اور حسن معاشرت کے خلاف ہیں، اس نے مسلمانوں کی موجودہ پستی اور تنزل کو براہ راست اسلامی تعلیمات کا نتیجہ قرار دیا۔ یہ نکتہ چینی کا ایک نیا طریقہ تھا، جس میں غیر مستند روایتوں، کمزور تاریخی داستانوں اور طب ویا بس واقعات سے جن کے بیان کرنے والے خواہ کم رتبہ اور غیر معتبر ہوں مدد لی گئی تھی، سرسید مرحوم نے دو طویل خطبوں میں مسلمانوں کی مذہبی کتابوں اور ان کی روایتوں کی تفصیل بیان کی ہے، روایات کی تنقید کے جو اصول وقواعد محدثین نے مقرر کئے ہیں، اور جو معیار انہوں نے معتبر اور غیر معتبر روایتوں کا قرار دیا ہے، ان کی تشریح کی ہے، جس سے سر ولیم میور کے استدلال کی ساری عمارت منہدم ہو جاتی ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ اسلام میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو زمانۂ حال کی

شایستگی یا دنیوی ترقیات میں مانع ہو، اور مسلمانوں کے اعمال و کردار جن کے نتائج وہ آج بھگت رہے ہیں ان کے جواب دہ خود مسلمان ہیں نہ کہ اسلام، انہوں نے سر ولیم میور کے مغالطوں کا نہایت معقول دلائل اور دلنشیں پیرائے میں جواب دیا ہے۔(12)

حضور ﷺ کے نسب پر مستشرقین کے اعتراضات:

مؤرخین نے نسلی اعتبار سے عرب اقوام کی تین قسمیں قرار دی ہیں۔

1۔ عرب بائدہ: یعنی وہ قدیم عرب قبائل اور قومیں جو بالکل ناپید ہو گئیں، مثلاً عاد، ثمود، طسم، جدیس، عمالقہ۔

2۔ عرب عاربہ: وہ عرب قبائل جو یعرب بن یشجب بن قحطان کی نسل سے ہیں۔ انہیں قحطانی عرب کہا جاتا ہے۔

3۔ عرب مستعربہ: وہ عرب قبائل جو حضرت اسماعیل کی نسل سے ہیں انہیں عدنانی عرب کہتے ہیں۔ قریش اس عربی نسل کا نمایاں اور

ممتاز قبیلہ تھا جس کی ایک معزز شاخ بنو ہاشم تھی۔(13)

سارے عرب قبائل قریش کا احترام کرتے تھے۔ اس احترام کی وجہ یہ تھی کہ وہ خانہ کعبہ کے متولی تھے اور کسی کو قریش کے نسل اسماعیل میں سے ہونے کے بارے میں شک نہ تھا۔

تاہم مستشرقین میں سے ولیم میور نے صریحاً یہ ثابت کرنا چاہا کہ آنحضور ﷺ خاندان اسماعیل سے نہ تھے۔ حضور ﷺ کو نسبی وجاہت اور خاندانی عظمت کی آرزو پیدا ہوئی تو آپ نے اپنے سلسلہ نسب کو ابراہیم کے ساتھ جوڑنے کی تدبیریں کیں۔

اس مفروضے کو واٹ نے زیادہ زور سے اچھالا ہے۔ اس کا ایک طویل اقتباس پیش خدمت ہے تاکہ سمجھا جائے کہ مستشرقین کس طرح کس بے بنیاد بات کو ثابت کرنے کے لئے افسانے تراشتے ہیں۔

"Abraham is simply one of many Prophets, and the people to whom he is sent are not specified; indeed, it seems to be implied that he was not sent to the Arabs, since Muhammad (SAW) is said to be sent to a people who had never had a warner. Likewise there is no mention of any connexion of Abraham and Ishmael with the Ka'bah. Ishmael is named in lists of Prphets, but

no details are given about him. The presumption is that at first the Muslims did not know about the connexion of Ishmael with Abraham and (according to the Old Testament) with the Arabs. At Medina, however, in closer contact with the Jews they gained knowledge of such matte".(14)

''حضرت ابراہیم کی حیثیت صرف یہ ہے کہ وہ بہت سے پیغمبروں میں سے ایک ہیں اور جس قوم کی طرف آپ مبعوث ہوئے تھے اس کا ذکر نہیں ہے۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ عربوں کی طرف مبعوث نہیں ہوئے تھے کیونکہ حضرت محمد ﷺ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ ایک ایسی قوم کی طرف مبعوث ہوئے جس کے پاس پہلے کبھی کوئی نبی نہیں آیا تھا، اسی طرح ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کے کعبے کے ساتھ تعلق کا بھی کوئی ذکر نہیں۔ خیال یہ ہے کہ ابتدا میں مسلمانوں کو علم نہ تھا کہ حضرت اسماعیلؑ کا حضرت ابراہیمؑ سے تعلق کیا ہے اور وہ اس بات کو بھی نہیں جانتے تھے کہ حضرت اسماعیلؑ کا عربوں سے کیا تعلق ہے۔ مدینے میں یہودیوں کے ساتھ رابطے کی وجہ سے ان کو ان چیزوں کا علم ہوا''۔

منٹ گمری یہ کہنا چاہتا ہے کہ عربوں کو اپنے حافظے پر ناز تھا۔ اپنے نسب نامے یاد کرنا اور انہیں فخر سے پیش کرنا ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ اگر وہ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد ہوتے تو لازماً یہ بات ان کی قومی روایات میں ہوتی۔ ان کی روایات میں ابراہیم و اسماعیلؑ کا ذکر نہ ہونا اور مکی سورتوں میں بھی اس تعلق کا موجود نہ ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ مسلمانوں کے پاس ان ہستیوں کے ساتھ اپنے تعلق کو ثابت کرنے کا کوئی ثبوت نہیں، کیونکہ انہوں نے یہ باتیں یہودیوں سے سیکھی ہیں اور یہودیوں اور ان کی کتابوں کو مسلمان قابل اعتبار نہیں سمجھتے۔

ہم واٹ کے اس اعتراض کا جواب بجائے مسلمانوں کی کتابوں کے ایک مستشرق کے حوالے سے دیتے ہیں: انسائیکلوپیڈیا آف ایتھکس اینڈ ریلجن (Encyclopaedia of Religion and Ethics) کا مقالہ نگار Chronicle of Sebeos کے حوالے سے لکھتا ہے:

"He was an Ishmaelite, who taught his countrymen to return to the religion of Abraham and claim the Promise made to the descendants of Ishmael". (15)

''حضرت محمد ﷺ ایک اسماعیلی تھے۔ جنہوں نے اپنے ہم وطن لوگوں کو یہ تعلیم دی کہ وہ دین ابراہیمی کی

طرف رجوع کریں اوران خدائی وعدوں سے بہرہ یاب ہوں جونسل اسماعیل سے کئے گئے ہیں''۔

منٹ گمری واٹ نے حضورﷺ کے اسماعیلی النسل ہونے کی حقیقت کومشکوک کرنے کی جوکوشش کی ہے وہ نہ صرف یہ کہ عربی روایتوں کے خلاف ہے بلکہ خود مغربی مؤرخین کی تحقیقات کے خلاف ہے۔مستشرقین حضورﷺ کے اس ارشادکوجھٹلانہیں سکتے۔السنن الترمذی میں حضورﷺ کا ارشاد ہے۔

واثلہ بن اسقع بیان کرتے ہیں:

قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ اصطفی من ولد ابراھیم اسماعیل و اصطفی کنانۃ من بنی اسماعیل و اصطفی من بنی کنانۃ قریشاً و اصطفیٰ من قریش بنی ھاشم و اصطفانی من بنی ھاشم (16)

''حضورﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم سے اسماعیل کو چنا، اولاد اسماعیل سے کنانہ کو چنا، بنی کنانہ سے قریش کو چنا، قریش سے بنی ہاشم کو چنا اور بنی ہاشم سے مجھے چنا''۔

سرسید کے اسلوب کا تنقیدی جائزہ:

سرسید مرحوم نے مستشرقین کے اعتراضات کے جو جوابات دیئے ہیں ان کے بارے میں یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ اس سلسلہ میں ان کی کوشش خشت اول کی حیثیت رکھتی ہیں، انہوں نے اپنی اس کتاب میں سر ولیم میور کے علاوہ دوسرے مستشرقین کے خیالات کا بھی جابجا تجزیہ کیا ہے، مستشرقین نے سب سے پہلے تو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام سے رسول اکرمﷺ کی نسبی وابستگی کا انکار کیا ہے، وہ مکہ میں حضرت اسماعیلؑ کی سکونت سے انکار کرتے ہیں، قیدار کی عدنان سے اور عدنان کی حضرت اسماعیلؑ سے نسبت خاندانی کو بھی تسلیم نہیں کرتے، اوراس بارے میں عربوں کی علم الانساب میں مہارت اور واقفیت اومشکوک قرار دے کر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ توراۃ میں جو پیشین گوئیاں کی گئی ہیں، ان سے رسول اکرمﷺ کی شخصیت مراد نہی ہے۔سرسید مرحوم نے بائبل کے فارسی ترجمہ سے توراۃ کی پیشین گوئی نقل کی ہے، لیکن ہم یہاں برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور مطبوعہ 1958ء سے اردو ترجمہ درج کرتے ہیں:

''اور سارہ نے دیکھا کہ ہاجرہ مصری کا بیٹا جو اس کے ابرہام سے ہوا تھا ٹھٹھے مارتا ہے، تب اس نے ابرہام سے کہا کہ اس لونڈی کو اور اس کے بیٹے کو نکال کیونکہ اس لونڈی کا بیٹا میرے بیٹے اضحاق کے ساتھ وارث نہ ہو گا، پر ابرہام کو اس کے بیٹے کے باعث یہ بات نہایت بری معلوم ہوئی، اور خدا نے ابرہام سے کہا کہ تجھے اس لڑکے اور اپنی لونڈی کے باعث برا نہ لگے جو کچھ سارہ تجھ سے کہتی ہے، تو اس کی بات مان کیونکہ اضحاق سے تیری نسل کا نام

چلے گا اور اس لونڈی کے بیٹے سے بھی ایک قوم پیدا کروں گا، اس لئے کہ وہ تیری نسل ہے، تب ابرہام نے صبح سویرے اٹھ کر روٹی اور پانی کی ایک مشک لی اور اسے ہاجرہ کو دیا، بلکہ اسے اس کے کندھے پر دھر دیا، اور لڑکے کو بھی اس کے حوالے کر کے اسے رخصت کر دیا، سو وہ چلی گئی، اور بیر سبع کے بیابان میں آوارہ پھرنے لگی، اور جب مشک کا پانی ختم ہو گیا، تو اس نے لڑکے کو ایک جھاڑی کے نیچے ڈال دیا، اور آپ اس کے مقابل پر ایک تیر کے ٹپّے پر دور جا بیٹھی، اور کہنے لگی کہ میں اس لڑکے کا مرنا تو نہ دیکھوں سو وہ اس کے مقابل بیٹھ گئی، اور چلا چلا کر رونے لگی، اور خدا نے اس لڑکے کی آواز سنی، اور خدا کے فرشتے نے آسمان سے ہاجرہ کو پکارا اور اس سے کہا اے ہاجرہ تجھ کو کیا ہوا؟ مت ڈر کیونکہ خدا نے اس جگہ سے جہاں لڑکا پڑا ہے، اس کی آواز سن لی ہے، اٹھ اور لڑکے کو اٹھا، اور اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال، کیونکہ میں اس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا، پھر خدا نے اس کی آنکھیں کھولیں اور اس نے پانی کا ایک کنواں دیکھا اور جا کر مشک کو پانی سے بھر لیا، اور لڑکے کو پلایا، اور خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا، اور وہ بڑا ہوا، اور بیابان میں رہنے لگا، اور تیرانداز بنا، اور وہ فاران کے بیابان میں رہتا تھا، اور اس کی ماں نے ملک مصر سے اس کے لئے بیوی لی۔(17)

مذکورۂ بالا پیشین گوئی واضح طور رسول اللہﷺ کی خبر دے رہی ہے، اسی لئے سر ولیم میور اور بعض مستشرقین نے اس کا رخ بدلنے کی کوشش کی ہے، اور یہ ثابت کرنا چاہا کہ رسول اللہﷺ حضرت اسماعیلؑ کی نسل سے نہ تھے، حضرت اسماعیلؑ یا ان کی اولاد مکہ میں آباد نہیں ہوئی اور فاران سے حجاز کی وادی یا مکہ کو مراد لینا درست نہیں۔

تعدد ازدواج پر مستشرقین کے اعتراضات کا جائزہ:

1۔ نفس قانون تعدد پر اعتراض

2۔ سنت نبوی پر اعتراض کہ اس نکاح کی محرک ہوائے نفس تھی

3۔ تعدد ازدواج امت کے حق میں چار تک لیکن حضورﷺ نے تو نو یا گیارہ نکاح کئے۔اس فرق پر اعتراض۔(18)

ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا قانون یورپ کے خود ساختہ قانون کا پابند نہیں۔ہم اس سوال کا جواب دو طرح دیتے ہیں۔

1۔ نقلی یعنی یہود اور نصاریٰ کی مسلم کتاب بائیبل سے۔ پہلا حوالہ ابوالانبیاء حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ہے۔ بائیبل پیدائش نمبر 16/4 میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین بیویاں بیک وقت تھیں۔سارہ، ہاجرہ، قطورا۔(19)

2۔ پیدائش نمبر 29/24 میں ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بیک وقت چار بیویاں تھیں۔لیا، زلفہ،

راخل، بلہہ۔(20)

3۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بے تعداد زوجات یعنی بیویاں تھیں۔(21)

4۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی انیس بیویاں تھیں۔(22)

5۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک ہزار عورتیں تھیں۔(23)

یہ سب بائیبل کے مستند پانچ انبیاء علیہ السلام کی متعدد زوجات کے حوالے ہیں۔ اگر ان پر مستشرقین کو اعتراض نہیں ہے تو تعدد نکاح نبوی پر اعتراض کس منہ سے کرتے ہیں۔ یہ تو قانون تعدد نکاح کی نقلی دلیل عیسائیوں کی بائیبل سے دی گئی۔ اب عقلی دلیل تعدد نکاح کی دیکھتے ہیں۔

عقلی دلائل:

1۔ اگر یورپ کے قانون کے مطابق ایک مرد کے لئے صرف ایک بیوی کے ساتھ نکاح مختص ہو تو پھر فطرت اور قدرت کے لئے یہ ضروری تھا کہ ولادت میں ذکور واناث میں مساوات رکھی جاتی۔ یعنی لڑکے اور لڑکیاں کل عالم میں اور ہر جگہ مساوی تعداد میں پیدا ہوتے۔ تاکہ لڑکیوں کی تعداد بڑھنے نہ پائے، اگر لڑکیوں کی تعداد پیدائش لڑکوں سے ایک فی ہزار بھی زائد ہو جاتی تو تین ارب انسانی آبادی میں ایک لاکھ لڑکوں کی پیدائش کے مقابلہ میں ایک لاکھ ایک سو، اور ایک کروڑ لڑکوں کے مقابلہ میں دس ہزار لڑکیاں زائد ہوں گی، اور ایک ارب کے مقابلہ میں دس لاکھ عورتیں فالتو ہوں گی۔ علی ہذا القیاس۔

اب سوال ہوگا کہ یہ فالتو عورتیں جنسی فطری خواہش کی تکمیل کے لئے یا خلاف فطرت تجرد پر مجبور کی جائیں گی۔ جو ہر دور میں اور بالخصوص اس دور میں ناممکن ہے۔ یا زنا کے ذریعہ ناجائز طریقہ سے اپنی خواہش پوری کریں گی۔ جو انسانی معاشرے کی تباہی کا موجب ہوگا۔ لہٰذا قانون تعدد نکاح کی صورت میں جو بشرطِ عدل اسلام میں موجود ہے، ان کی فطری ضرورت کی تکمیل کی قانونی صورت پیدا ہوگی۔ بالخصوص آج کل جو عموماً عورتوں کی تعداد مردوں سے بہت زیادہ ہے، ان کی کھپت کے لئے اسلام کے فطری قانون تعدد نکاح کے سوا اور جائز راہ نہیں۔

2۔ تعداد اموات میں بھی قدرت کے لئے مرد اور عورتوں کی مساوات ضروری تھی۔ موت کی صورت میں اگر یک زوجگی کا یورپی قانون فطری اور قدرتی ہوتا تو قدرت کا فرض تھا، کہ مردوں اور عورتوں کی قبض روح اور موت میں یکسانیت رکھتی۔ تاکہ توازن پورا رہے۔ ورنہ اگر مرد زیادہ مر جائیں اور عورتیں کم مریں تو اگر دونوں کی ولادتی تعداد برابر بھی ہو، تب بھی بڑی تعداد عورتوں کی بچ رہے گی۔ جن کے کھپانے کے لئے یورپی قانون میں جائز صورت کوئی

نہ ہوگی۔ بہرحال یورپی قانون یک زوجگی کے تحت کارخانۂ قدرت کا فرض تھا کہ وہ شرح پیدائش واموات کے دفاتر بذریعہ ملائکہ پورے ملک اور صوبوں اور ضلعوں تک میں قائم کرتی۔ تاکہ یورپی قانونِ زوجگی کا توازن برقرار رہے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا جس سے معلوم ہوا کہ یہ انسانی قانون منشاء قدرت وفطرت کی ضد ہے اور واجب الترک ہے۔

3۔ جنگ بھی فطرتِ انسانی میں داخل ہے۔ انسانی افراد واقوام قوتِ شہوت نزدعیہ (یعنی حب الوطنی) کے تحت فوائد ملک پر قبضہ کرنے کے لئے آلاتِ حرب کے ذریعہ دوسرے ملک پر حملہ کرتے ہیں۔ اور جس ملک پر حملہ ہوتا ہے، وہ مدافعت کے لئے جنگ کرنے پر مجبور ہوتا ہے جس کی وجہ سے دونوں قوموں کی فوجیں قوت غضبیہ کا مظاہرہ کرتی ہیں اور لاکھوں، کروڑوں آدمی لقمۂ اجل بن جاتے ہیں یا بیکار ہوجاتے ہیں۔

جنگ اول میں ایسے مقتولین وبیکار لوگوں کی تعداد چار کروڑ تھی۔ اور جنگ عظیم ثانی میں چھ کروڑ تعداد تھی۔ ایسی صورت میں اکثر مرد کام آجاتے ہیں۔ اور عورتیں بچ جاتی ہیں۔ فوج میں اکثر مرد ہیں، عورتیں نہ ہونے کے برابر۔ تو گویا گذشتہ دونوں جنگوں میں جو دس کروڑ آدمی ضائع ہوئے ان کے بالمقابل جو عورتوں کی تعداد بچ گئی اس کو کہاں کھپایا جائے۔ جائز راستہ (تعدد نکاح) تو مغربی قانون میں بند ہے۔ یہ دقت اس صورت میں بھی باقی رہے گی، اگر قبل از جنگ مرد وزن کی تعداد برابر فرض کرلی جائے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ متعدد بیویوں میں بے انصافی ہوتی ہے، تو بے انصافی ایک بیوی کے ساتھ بھی کی جاتی ہے۔ لہٰذا ایک کی بھی بندش ہونی چاہئے۔

4۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ پہلی بیوی بیمار ہوتی ہے، اور مرض ممتد ہوتا ہے۔ یا حیض ونفاس کی صورت ہوتی ہے، یا بانجھ پن ہوتا ہے، اور شوہر کو فرزند اور جانشین کی فکر ہوتی ہے۔ اس صورت میں جنسی جذبہ کی ضرورت بھی اس بیوی سے پوری نہیں ہوتی۔ کیا ایسی صورت میں عقل کا تقاضا یہ نہیں کہ ان ضرورتوں کی تکمیل کے لئے دوسری بیوی کو نکاح میں لانے کی قانونی گنجائش موجود ہو۔ یا پھر یہی مناسب ہوگا کہ ان ضرورتوں کو کلیۃً نظر انداز کردیا جائے۔ اسلام نے جو دین فطرت ہے نے گذشتہ حالات کو پیش نظر رکھ کر بشرط عدل دوسری بیوی یا زیادہ کی چار بیویوں تک اجازت دی۔ اور سابق اقوام وادیان کی لاتعداد زوجات کو عدل کی شرط پر چار میں محدود کیا۔ یورپ میں آج کل شوہروں کی سپلائی کے لئے انجمنیں قائم ہیں۔ اور عورتیں پریشان پھرتی ہیں۔ شوہر نایاب ہوتا جارہا ہے یہ عقدہ حل ہوجاتا ہے، اگر محمدی قانون پر عمل ہوتا۔ جیسا کہ مسیح نے حالات سے مجبور ہوکر مسیحی قانون کو ترک کرکے طلاق میں محمدی قانون پر عمل کرکے مشکلات کو حل کیا۔ اور نبیٔ امی کی صداقت ماننے پر مجبور ہوئے۔ اسی طرح امریکہ نے بھی میڈیکل بورڈ کی تحقیقی رپورٹ کے بعد شراب کی صحتی، نفسیاتی، حیاتیاتی مضرات پر مطلع ہوکر 1937ء میں تحریم وبندش شراب کا

قانون امریکہ میں نافذ کیا تھا۔لیکن ڈوبے لگام معاشرہ کو پابند کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا۔اب قانون تعدد زوجات پر اعتراض کا جواب ختم ہوا۔(24)

پیر کرم شاہ الازہری کا اسلوب تنقید

رسول اکرم ﷺ بطور سربراہ مملکت:

مستشرقین کی کتابوں میں یہ بات عام ہے کہ وہ مسلمانوں کی حیرت انگیز کامیابیوں کی تابنا کی کو کم کرنے کے لئے یہ تصور دیتے ہیں کہ یہ محض اتفاق تھا کہ حضور ﷺ اس دور میں پیدا ہوئے جب اہل عرب اپنی قدیم مذہبی قدروں سے بے زار ہو چکے تھے اور ان سے جان چھڑانا چاہتے تھے۔چونکہ ماحول اس قسم کی تبدیلیوں کے لئے پہلے ہی تیار تھا اس لئے حضور ﷺ کا پیغام حیرت انگیز سرعت کے ساتھ پھیلا۔

واٹ لکھتا ہے:

"It is axiomatic that the new religious movement of Islam must somehow or other have risen ou of the conditions in Mecca in Muhammad's time. A new religion cannot come into being without a sufficient motive". (25)

''یہ بات واضح ہے کہ اسلام کی نئی مذہبی تحریک حضرت محمد ﷺ کے زمانے کے مکہ کے حالات سے ابھری ہوگی ایک نیا مذہب اس وقت تک وجود میں نہیں آتا جب تک اس کے لئے کافی عوامل موجود نہ ہوں''۔

واٹ نے اپنی کتابوں میں بار بار یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ عربوں کا معاشرہ جن سماجی، معاشی اور روحانی قدروں پر قائم تھا، وہ قدریں بدلتے ہوئے حالات کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں، نئے حالات کے لئے نئی قدروں کی ضرورت تھی، حضور ﷺ نے حالات کی نبض پر ہاتھ رکھا، معاشرے کے حقیقی مرض کا سراغ لگایا اور معاشرہ جس قسم کی قدروں کے لئے تشنگی محسوس کر رہا تھا، آپ ﷺ نے کچھ اپنے تخیل کے زور سے اور کچھ دیگر ادیان کی نقل کر کے، چند قدریں وضع کیں اور انہیں قوم کے سامنے پیش کر دیا۔عرب ایسی قدروں کے لئے پہلے ہی چشم براہ تھے۔ انہوں نے فوراً ان کو قبول کر لیا۔واٹ اپنے اس مفروضے کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

"During the years just before he received the call to

prophethood Muhammad must have been increasingly aware of the unsatisfactory social conditions in Mecca. This was something he could observe for himself and did not require to be shown by revelation. The fundamental source of the trouble was that the traditional values of nomadic society (which was that of the recent ancestors of the Meccans) were proving inadequate in the prosperous mercantile economy of Mecca, and were also the leading men of the caln were neglective the traditional duty of carring for the needy adn unfortune among their kinsmen Muhammad may well have come to see the root of the troubles as the secular, materialistic outlook of the very wealthy, and may even have decided that this could only be got rid of by some form of religious belief". (26)

''آغاز بعثت سے پہلے زندگی کے آخری سالوں میں محمد (ﷺ) مکہ کی مضطرب سماجی زندگی سے ضرور اچھی طرح آگاہ ہوں گے۔ یہ ایسی چیزیں تھیں جن کا محمد (ﷺ) خود مشاہدہ کر سکتے تھے اور ان سے آگاہ ہونے کے لئے آپ کو وحی کی ضرورت نہ تھی۔ ساری پریشانی کا راز اس حقیقت میں مضمر تھا کہ زندگی کی بدویانہ قدریں جو مکے والوں کے آباؤاجداد کی سماجی قدریں تھیں، وہ مکہ کی خوشحال تجارتی زندگی کا ساتھ نہ دے سکتی تھیں اور اسی وجہ سے ماند پڑ سکتی تھیں۔ امیر تاجر اپنے اپنے قبیلوں کے سردار بھی تھے، وہ اپنے قبیلوں کے کمزور اور غریب افراد کی کفالت کے روایتی فریضے کو نظر انداز کر رہے تھے..... محمد (ﷺ) نے اس بات کا اندازہ لگا لیا ہوگا کہ تمام مسائل کا اصل سبب امیر ترین افراد کا لادینی اور مادہ پرستانہ رویہ ہے اور آپ نے یہ بھی فیصلہ کر لیا ہوگا کہ ان مسائل کا حل صرف کسی مذہبی نظریے کے ذریعے ہی ممکن ہے''۔

واٹ نے مذکورہ بالا جملے لکھتے وقت قرآن وحدیث کے ان بیانات کو پیش نظر رکھا ہے، جن میں مکہ والوں کو دولت پر اترانے اور غریبوں کی مدد نہ کرنے پر تنبیہ کی گئی ہے۔ اگر اسلام نے مکہ والوں کو صرف دولت کے بارے میں ہی ان کے رویے پر تنبیہ کی ہوتی تو واٹ کی بات میں کچھ وزن ہوتا لیکن اسلام نے تو سب سے پہلے ان کے

مذہب پر حملہ کیا۔ ان کو بتایا کہ پتھر کے بت جنہیں تم خدا سمجھتے ہو، یہ تو اپنے چہرے سے مکھی اڑانے کے بھی قابل نہیں۔ اسلام نے انہیں پتھروں کی پوجا چھوڑ کر خدائے واحد کی عبادت کی طرف بلایا، ان کو آخرت کی زندگی اور جزا و سزا کا تصور دیا، انہیں بتایا کہ ان کا رحمٰن ورحیم اللہ جس طرح ہمیشہ انسانیت کی راہنمائی کے لئے رسول اور کتابیں بھیجتا رہا ہے، اسی طرح اس نے ان کی راہنمائی کے لئے اپنے حبیب ﷺ کو اپنی آخری اہامی کتاب دے کر مبعوث فرمایا ہے۔ یہ مذہبی نظریات جو حضور ﷺ نے ان کے سامنے پیش کئے تھے، یہ ان کے روایتی مذہبی نظریات سے ٹکراتے تھے، یہی وجہ تھی کہ انہوں نے حضور ﷺ کی مخالفت شروع کر دی۔

واٹ حضور ﷺ کی رسالت کی ایک اور توجیہ یہ کرتا ہے کہ مکہ کی معاشی عدم مساوات نے حضور ﷺ کی نفسیاتی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا۔ آپ نے محسوس کیا کہ آپ انتہائی اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک ہونے کے باوجود معاشرے میں کوئی اہم مقام حاصل نہیں کر سکے۔ اسی طرح اور بھی بے شمار باصلاحیت لوگ زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ گئے ہیں اور چند نااہل لوگ، دولت کے زور پر، سیاہ وسفید کے مالک بن بیٹھے ہیں۔ ان جذبات نے حضور ﷺ کو بے چین کر دیا آخر کار آپ کے جذبات دعویٰ رسالت ونبوت کی شکل میں ظاہر ہوئے۔(27)

دور نبوت کے اہل کفر کے بارے میں:

مکہ کے دور نبوت، بلکہ فتح مکہ سے پہلے تک کے زمانہ نبوت کو بھی سر ولیم نے اپنے قیاس وتخمین کا نشانہ بنایا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مکہ اور مدینہ کے کفار یا تو ایمان لا چکے تھے یا وہاں سے نکال دیے گئے تھے۔ اور اب کوئی شخص وہاں نہ رہا تھا جو ان کے بارے میں یک طرفہ بیانات، بے بنیاد اتہامات اور مبالغہ آمیز الزامات کی تردید کرتا۔ اور چونکہ کو در سول اکرم ﷺ ان پر لعنت کیا کرتے تھے تو کب ممکن تھا کہ کسی مسلمان کو ان کی حمایت کی جرأت ہوتی، اور اسی وجہ سے اہل روایت بھی کفار سے نفرت کرتے تھے۔ اور مورخین ہمیشہ اس شہادت پر جو ان کے خلاف ہوتی تھی آنکھ لگائے رہتے تھے۔ لیکن سر ولیم کا یہ اعتراض نہ صرف ے کہ بادہوائی ہے بلکہ اس سے خود ان کے مسلمہ عقائد اور اصولوں کی بھی مخالفت لازم آتی ہے۔(28)

بقول سرسید:

''صاحب موصوف کا یہی قول اور انبیاء السلام اور ان کے تبعین پر بھی صادق آتا ہے۔ خصوصاً اس زمانے پر جب کہ حضرت موسیٰ نے نہایت بے رحم لڑائیوں کے بعد تمام کفار کو نیست ونابود کر دیا تھا اور جب کہ قسطنطین اعظم

کے زور سے تمام لوگوں نے عیسائی مذہب قبول کرلیا تھا۔مگر ہم اس امر کو اس کتاب کے پڑھنے والوں کی منصفانہ رائے پر چھوڑتے ہیں۔اور یہ سوال کرتے ہیں کہ آیا یہ ممکن ہے کہ نیکی، ایمانداری اور صداقت کے کل آثار یعنی قانون قدرت کے وہ بیش بہا جوہر جو انسان کے قوائے اخلاقی کا مادہ ہیں لاکھوں ذی فہم اشخاص کے سینوں سے یکلخت محو ہوگئے ہوں۔اور وہ سب یک دل ایک زمانہ ہوکر بدترین افعال کی طرف مائل ہوئے ہوں۔یعنی دروغ گوئی اور واقعات کی غلط بیانی کی طرف جو ان سب کے روبرو واقع ہوئے ہوں اور جن کو ان سب نے بچشم خود مشاہدہ کیا ہو یہی امر یعنی ان واقعات کے گواہان معائنہ کی تعداد کا ہزاروں اور لاکھوں کو پہنچنا ان واقعات میں غلط بیانی کے عدم امکان کا ثبوت ہے۔(29)

حضور ﷺ پر تشدد پسندی کا الزام:

واٹ نے اپنی مختلف تحریروں میں زور وشور سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہجرت کے بعد مسلمانوں کا کوئی معقول ذریعہ معاش نہ تھا، اس لئے انہوں نے عربوں کے دستور کے مطابق تجارتی کاروانوں کو لوٹنے اور مختلف قبائل پر ڈاکے ڈالنے کا پیشہ اختیار کرلیا۔

وہ لکھتا ہے:

"As these expeditions, even that to Badr, were razzias, where the aim was to capture booty without undue danger to oneself". (30)

''بدر کی مہم سمیت یہ مہمیں ڈاکے تھے، اور ان کا مقصد یہ تھا کہ غیر ضروری خطرات مول لئے بغیر مال غنیمت اکٹھا کیا جائے''۔

یہی مستشرق ایک اور مقام پر لکھتا ہے:

"When one looks at all alternatives, however, it seems clear that even before he left Mecca Muhammad must have looked on raids on Meccan carvans as a possibility, even a probability. In the raids the Muslims were taking the offensive. Muhammad cannot have failed to realize that, even if the raids were only slightly successful, the Meccans were bound to attempt reprisals. In these

little raids, then, he was deliberately challenging and provoking the Meccans. In our peace-conscious age it is difficult to understand how a religious leader could thus engage in offensive war and become almost an aggressor". (31)

''جب انسان ان تمام معاشی امکانات کا جائزہ لیتا ہے جو محمد (ﷺ) کے پیش نظر تھے تو یہ بات واضح نظر آتی ہے کہ محمد (ﷺ) نے ہجرت سے پہلے ہی مکی کاروانوں پر حملوں کے امکان بلکہ غالب امکان پر غور کیا ہو گا۔ان حملوں میں مسلمانوں کا رویہ جارحانہ تھا۔محمد (ﷺ) اس بات کو محسوس کئے بغیر نہ رہ سکتے تھے کہ گو ان حملوں میں ان کو معمولی کامیابی حاصل ہو،لیکن مکہ والے انتقامی کاروائی ضرور کریں گے۔ان چھوٹے حملوں میں محمد (ﷺ) مکہ والوں کو چیلنج کر رہے تھے بلکہ ان کو اشتعال دلا رہے تھے۔ہمارے امن پسند زمانے میں یہ سمجھنا مشکل ہے کہ ایک مذہبی راہنما کیونکر جارحانہ جنگوں میں مشغول ہو کر ایک جارح بن سکتا ہے''۔

غزوات کو ڈاکے ثابت کرنے کی کوشش میں واٹ ایک اور جگہ لکھتا ہے:

"Thus whether Muhammad incited his followers to action and then used their wrongs to justify it, or whether he yielded to pressure from them to allow such action, the normal Arab practice of the razzia was taken over by the Islamic community. In being taken over, however, it was transformed. It became an activity to believers against unbelievers, and therefore took place within religious context". (32)

''خواہ محمد (ﷺ) نے اپنے پیروکاروں کو جارحیت پر ابھارا ہو اور پھر ان کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کو اس عمل کو جواز مہیا کرنے کے لئے استعمال کیا ہو یا انہوں نے اپنے پیروکاروں کی طرف سے اس عمل کی اجازت دینے کے مطالبے کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے ہوں،دونوں صورتوں میں نتیجہ یہ تھا کہ عربوں کے ہاں معروف ڈاکہ زنی کے عمل کو امت مسلمہ نے اپنا لیا اور اس عمل کو اپنا لینے کے بعد انہوں نے اس کی ہیئت میں تبدیلی کر دی۔اس طرح یہ ایک ایسا عمل بن گیا جو مومن کافروں کے خلاف سرانجام دیتے تھے اور (ڈاکہ زنی کا) یہ عمل مذہبی دائرے

کے اندر سرانجام پاتا تھا''۔ پھر مستشرق مذکور اس تبدیلی کی نوعیت بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"The change from the razzia to the Jihad may seem to be no *morethan a change of name, the giving of an aura of religion to whatwas essentially the same activity".* (33)

''ڈاکے اور جہاد میں فرق صرف نام کی تبدیلی کا تھا۔ اس طرح وہ کام جو دراصل ڈاکہ ہی تھا اس کو مذہبی رنگ دینے کی کوشش کی گئی''۔

واٹ اسلامی جہاد کے اسباب بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"Another point was doubtless present in Muhammad's mind. He forbade fighting and raiding between Muslims, and consequently, if a large number of Arab tribes accepted Islam or even merely accepted Muhammad's leadership, he would have to find an alternative outlet for their energies. Looking ahead, Muhammad probably realized that it would be necessary to direct the predatory impulses of the Arabs outwards, towards the settled communities adjacent to Arabia, and he was probably conscious to some extent of the development of the route to Syria as a preparation for expansion". (34)

''بلا شک وشبہ ایک اور نکتہ بھی محمد (ﷺ) کے ذہن میں تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کو باہم لڑائی کرنے اور ایک دوسرے پر حملہ کرنے سے منع کر دیا تھا۔ اگر عرب کے قبائل کثرت سے اسلام قبول کر لیتے یا محض محمد (ﷺ) کی قیادت کو تسلیم کر لیتے تو آپ کے لئے ضروری تھا کہ آپ عربوں کی قوت کے اظہار کے لئے کوئی متبادل راستہ تلاش کرتے۔ غالباً مستقبل کے متعلق سوچتے ہوئے، آپ نے یہ محسوس کیا کہ عربوں کے غارت گرانہ رجحانات کا رخ خارج کی طرف موڑنا ضروری ہوگا، ان پرامن علاقوں کی طرف جو عرب سے ملحق تھے۔ اور غالباً اپنی مملکت کی حدود کو وسیع کرنے کی خاطر، شام کے راستے پر آپ کی خصوصی نظر ہوگی''۔

اسلام نے جنگ کے ایسے اصول مقرر فرمائے کہ ان اصولوں کی وجہ سے اسلامی جہاد ان جنگوں سے ممتاز ہو جاتا ہے جو تاریخ انسانی کے مختلف ادوار میں انسانوں نے توسیع پسندی اور دیگر قوموں کے استیصال کے لئے دوسروں پر مسلط کی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا:

"وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ط اِنَّ اللهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ "(35)

"اور لڑو اللہ کی راہ میں ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور (ان پر بھی) زیادتی نہ کرن۔ بے شک اللہ دوست نہیں رکھتا زیادتی کرنے والوں کو"۔ ایک دوسری آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا:

"وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ یَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ "(36)

"اور لڑتے رہو ان سے یہاں تک کہ نہ رہے فتنہ (وفساد) اور ہو جائے دین صرف اللہ کے لئے۔ پھر اگر وہ باز نہ آجائیں تو (سمجھ لو) کہ سختی (کسی پر) جائز نہیں مگر ظالموں پر"۔

جنگ کے اصولوں کی مزید تشریح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ وَاتَّقُوا اللهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ "(37)

"تو جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کرلو (لیکن) اس قدر جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہو اور ڈرتے رہو اللہ سے۔ اور جان لو یقیناً اللہ (کی نصرت) پرہیزگاروں کے ساتھ ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاں دشمنان دین کے خلاف جہاد کی تیاریوں اور عملاً جہاد کرنے کا حکم دیا ہے وہاں ساتھ ہی یہ ارشاد بھی فرمایا ہے:

"وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَکَّلْ عَلَی اللهِ ط اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ "(38)

"اور اگر کفار مائل ہوں صلح کی طرف تو آپ بھی مائل ہو جایئے اس کی طرف اور بھروسہ کیجئے اللہ پر۔ بے شک وہی سب کچھ سننے والا، جاننے والا ہے"۔

مندرجہ بالا آیات کریمہ میں جہاد اسلامی کے اصول وضوابط کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ قرآن حکیم کے حکم جہاد کو سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل تین چیزوں پر خصوصی غور کرنا ضروری ہے۔

1۔ جنگ کس مقصد کے لئے ہو۔

2۔ جنگ کس کے خلاف لڑی جائے۔

3۔ جنگ میں کن کن شرائط اور قیود کی پابندی ضروری ہے۔

مندرجہ بالا آیات کریمہ وضاحت سے بتا رہی ہیں کہ اسلامی جنگیں نہ آتش انتقام کو ٹھنڈا کرنے کے لئے لڑی جاتی ہیں، نہ کسی قوم کی نسلی برتری کو ثابت کرنے کے لئے اور صنعتی اور تجارتی مفادات کی خاطر بلکہ جنگیں صرف حق کی بلندی کی خاطر لڑی جاتی ہیں یہ جنگیں ان لوگوں کے خلاف لڑی جاتی ہیں جو تمہارے خلاف جنگ کرتے ہیں اور ان شرائط کے ساتھ کہ کسی پر زیادتی مت کرو۔

مستشرقین کی تقریباً اکثر کتابوں میں اس قسم کی تحریفات، الزامات اور دروغ گوہیوں کے نمونے ملتے ہیں۔ مستشرقین کی ان الزام تراشیوں کے رد میں میرے علم میں کوئی قابلِ ذکر انفرادی یا اجتماعی کوشش نہیں کی گئی۔ معلوم نہیں کیوں اس کی طرف اب تک توجہ نہیں دی گئی۔ میری رائے ہے کہ اس مقصد کے لئے کم از کم چند علماء اور محققین پر مشتمل ایک ادارہ قائم ہو اور ماہانہ نہ سہی تو ایک سہ ماہی مجلّہ شائع کیا جائے تا کہ مستشرقین کی یاوہ گوئیوں کا ازالہ ہوتا رہے۔

جب ہم یوروپین زبانوں کی کسی ایسی تالیف پر نظر ڈالتے ہیں جس میں مشرق یا اسلام کے اجتماعی یا عمرانی موضوع پر مباحث ہوں تو ہم کو بہت سی خلاف عقل و قیاس باتیں نظر آتی ہیں۔ خصوصاً ان کتابوں میں جو مذہب اسلام پر ہیں۔ ان میں نہ صرف خلافِ حقیقت اور خلاف عقل و قیاس باتیں ہوتی ہیں۔ بلکہ ان میں اسلام کی ایسی عجیب وغریب اور بھیانک تصویر پیش کی جاتی ہے۔ جسے کوئی مسلمان برداشت نہیں کر سکتا ہے۔ مشرقی آدمی اس کی یہ تاویل کر لیتا ہے کہ یہ غلطی مشرق کے حالات اور یہاں کے عادات و خصائل سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ اور مسلمان اسلام کی بھیانک تصویر دیکھ کر پیچ و تاب کھا کر رہ جاتا ہے۔ جب ہم مغربی مصنفین کی تحریروں پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ لکھنے والے کو عموماً مشرق اور خصوصاً اسلام کی حقیقت سے مطلق واقفیت نہیں ہے۔ مثلاً مارشل اپنی کتاب شادی میں لکھتا ہے کہ مصر میں اسلامی پردہ کا یہ اثر ہے کہ وہاں چودہ سال کی عمر کے بعد ماں بھی اپنی لڑکی کا چہرہ نہیں دیکھ سکتی یا اسی کتاب میں ایک دوسرے موقع پر یہ لکھا ہے کہ ریفی مصر کی لڑکی اپنے چہرہ کے علاوہ باقی جسم کے تمام حصوں کو مردوں کے سامنے عریاں کر سکتی ہے۔ چنانچہ اسلام نے پردہ اور تعدد ازواج کے حکم سے تمدن پر ایک کاری ضرب لگائی ہے۔ اسی کتاب میں ایک اور مقام پر ہے کہ نعوذ باللہ محمد ﷺ محض ایک زن پرست آدمی تھے۔ ان خیالات اور علمی ریسرچ سے لکھنے والے کی نسبت صاف ظاہر ہے کہ وہ حق وانصاف کو پامال کر کے محض اسلام کو بدنام کرنا چاہتا ہے۔

یوروپین مصنّفات کی یہ خوبی ہے کہ اس میں ماخذوں کے حوالے بھی دے دیے جاتے ہیں جب میں اصل مآخذ کی طرف رجوع کرتا تھا تو معلوم ہوتا تھا کہ ان کا ماخذ محض مستشرقین کے دماغ ہیں۔سفیروں اور قاصدوں کے بارے میں اس دور میں کسی عظمت کا تصور نہ تھا۔(39)

ٹائن بی کے خیال میں آنحضرت ﷺ محض قیصر عرب تھے، ایک سیاسی لیڈر تھے، جے سی آرچر کے نزدیک محمد ﷺ محض ایک صوفی اور مجذوب تھے، آپ ﷺ (نعوذ باللہ) رہزنوں، قزاقوں کے سردار (Robber Chief) تھے۔اسلام ایک بدقسمت تاریخی حادثہ تھا اور محمد ﷺ مرگی میں مبتلا ہوکر مر گئے جو شدت بھوک کا نتیجہ تھا۔ اسلام ایک اشتراکی رجحان تھا اور محمد ﷺ صرف ایک معاشرتی سماجی مصلح تھے نہ کہ پیغمبر، وہ ایک موقع پرست، مفاد پرست تھے، کثرت ازدواج اور میل الی النساء۔(40)

عورتوں کے دوست، سنجیدگی اور معقولیت کے دشمن، بہت شادیاں کرنے والے۔ آنحضرت ﷺ اور قرآن، تہذیب وتمدن، حریت وآزادی اور سچائی کے بدترین مخالف اور ضدی وسرکش دشمن تھے، کہ ان جیسا دشمن صفحۂ ہستی پر نمودار نہیں ہوا۔لونڈی غلام بنانے کی اجازت دی اور اس پر عمل بھی کیا، داستان غرانیق، شیطانی آیات، نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ایک دفعہ حرم میں نماز ادا کی اور قرآن کی بھی تلاوت کی، اس وقت وہاں کفار بھی موجود تھے، جب آپ نے سورۂ نجم کی یہ آیت پڑھی ''ومناۃ الثالثۃ الاخریٰ''تو کہا جاتا ہے کہ شیطان نے آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلوادیئے:تلک الغرانیق العلیٰ وان شفاعتھن لترجیٰ ،(یعنی یہ بت معظم ومحترم ہیں اور ان کی شفاعت مقبول ہے)اس شیطانی آیت یک بارے میں واقعہ کو مستشرقین بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں اور رائی کا پہاڑ بنا ڈالتے ہیں۔(41)

واقعہ حضرت زیدؓ وزینبؓ، حضور ﷺ نے اپنی حقیقی پھوپھی زاد بہن کے ساتھ حضرت زیدؓ بن حارثہ کا نکاح کر دیا تھا، لیکن پھر تعلقات قائم نہ رہ سکے اور شکر رنجی بڑھ گئی، آخر کار حضرت زیدؓ نے ان کو طلاق دے دی، حضور ﷺ نے رسم جاہلیت مٹانے کے لئے اور حضرت زینبؓ کی دلجوئی کے لئے خود نکاح کر لیا، حضرت زینبؓ کا انتقال 20ھ میں ہوا، مستشرقین کے نزدیک یہ صریحاً بوالہوسی تھی، ان کا آہنی تابوت خانۂ کعبہ میں دوستونوں کے درمیان معلق رہا۔ ابتدا میں اپنی نبوت کا جواز پیدا کرنے کے لئے تمام انبیائے بنی اسرائیل کو تسلیم کیا۔لیکن جب قوت واقتدار مل گیا تو سب سے بڑے نبی خود بن بیٹھے اور سلسلۂ نبوت کو اپنی ذات پر ختم کر لیا، بانیٔ اسلام سے معجزات کی نسبت محض انبیائے ماسبق کے ہم پلہ ثابت کرنے کے لئے قائم کی گئی۔ایک نیا اور جھوٹا مذہب جاری کیا، حالانکہ یہ ان کا خود ساختہ تھا۔

مستشرقین چونکہ مسیحی استعماری قوتوں کے ہراول دستے ہیں جو مشنریوں کی طرح اسلامی ملکوں میں سامراجیت کے لئے راہ صاف کرتے ہیں اس راہ کی بڑی رکاوٹ ان کے نزدیک مسلمانوں کا جذبہ جہاد ہے، لہٰذا انہوں نے سارا زور قلم جہاد پر صرف کیا اور جہاد کو اسلام کی جبری اشاعت کا ذریعہ ٹھہرایا۔ اور اس کو فساد اور وحشیانہ عمل قرار دیا حالانکہ یہ دونوں الزام مسلمانوں کے مذہبی مقدس کتاب قرآن حکیم کے خلاف ہے۔(42)

خود قرآن کا حکم ہے:

''لا اکراہ فی الدین''۔(43)

ابوالکلام آزاد کا اسلوب تنقید

استحقاق نبوت:

مستشرقین نے اسلام کے خلاف زہر پھیلانے کے لئے یہ عجیب فریب دہ طریقہ نکالا ہے کہ جب تک وہ اسلامی تاریخ پر بحث کریں گے اس وقت تک خالص مورخ رہیں گے۔ لیکن جب رسولﷺ کی سیرت، مذہب اسلام یا قرآن کی طرف متوجہ ہوں گے تو ہمیشہ مخالفانہ لکھیں گے کہ دوسرے اس کو پڑھ کر اسلام سے خوفزدہ ہوں۔ اسلامی مباحث پر لکھنے میں وہ علمی دیانت اور تحقیقی اصول کو بھول جاتے ہیں ان کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے وہ اپنے ذہن میں ایک نظریہ یا ایک خیال فرض کرتے ہیں اس کے بعد اس کے اسباب تلاش کرتے ہیں۔ اگر قرآن میں کوئی ایسی شے مل گئی جو ان کے خیال میں ان کے مفید مطلب ہے یا اسے کھینچ تان کر اپنے مقصد کے مطابق بنا سکتے ہیں تو فوراً اسے لے لیتے ہیں اور اگر قرآن ان کے مقصد کے معارض پڑتا ہے تو اسے نظر انداز کر کے کہہ دیتے ہیں کہ قرآن میں ہے ہی نہیں۔ یہ تنہا میرا سوئے ظن نہیں ہے بلکہ اس کے ثبوت میں واقعات موجود ہیں۔ اس موقع پر مشتے نمونہ از خروارے 2 واقعات پیش کیے جاتے ہیں۔

حضورﷺ کو (نعوذ باللہ) مرگی کا مریض قرار دینے کی سازشیں:

مستشرقین حضورﷺ کی شخصیت کے وقار کو مجروح کرنے اور دنیا کی نظروں میں آپ کو بدنام کرنے کے لئے ہر دور میں سازشیں کرتے رہے ہیں اور بہت سے بے بنیاد الزام ان کی جانب سے دہرائے جاتے رہے ہیں۔ ان میں ایک الزام یہ ہے کہ (نعوذ باللہ) حضورﷺ مرگی کے مریض تھے۔

مستشرقین نے جن واقعات سے حضورﷺ کے مرگی کے مرض میں مبتلا ہونے کا سراغ لگایا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ حضورﷺ کی ولادت سے پہلے آپ کی والدہ کا فرشتوں کو دیکھنا۔

2۔ حضرت حلیمہ سعدیہ کی روایت کے مطابق فرشتوں کا آپﷺ کے سینے کو چاک کرنا۔

3۔ حالت وحی میں رسول اللہﷺ کی حالت کا متغیر ہونا۔

4۔ کفار مکہ کا آپﷺ کو مجنون کہنا۔

5۔ حضرت حلیمہ سعدیہ کا آپﷺ کے سر پر بادل کو سایہ کرتے دیکھنا۔

مندرجہ بالا واقعات میں سے کوئی واقعہ بھی ایسا نہیں جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکے کہ حضورﷺ مرگی کے مریض تھے۔لیکن یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ مستشرقین نے عملاً ان واقعات سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے۔تاہم منٹ گمری واٹ حضورﷺ کے مرگی کے مرض میں مبتلا ہونے کی پرزور الفاظ میں تردید کرتا ہے۔

"On some occasions at least there were physical accompaniments. He would be gripped by a feeling of pain, and in his ear's there would be a noise like the reverberation of a bell. Even on a very cold day the bystanders would see geat pearls of sweet on his forehead as the revelation descended upon him. Such accounts led some Western critics to suggest that he had epilepsy, but there are no real grounds for such a view. Epilepsy leads to physical and mental degeneration, and there are no signs of that in Muhammad, on the contrary he was clearly in full possession of his faculties to the very end of his life". (44)

''نزول وحی کے وقت کچھ جسمانی عوارض بھی پیش آتے تھے۔آپ کو شدید درد کا احساس ہوتا، کانوں میں گھنٹی کی سی آواز سنائی دیتی، جب وحی کا نزول ہوتا تو پاس کھڑے ہوئے لوگ شدید سردی کے عالم میں بھی آپ کے چہرے پر پسینے کے موتی دیکھتے اس قسم کی چیزوں سے بعض مغربی نقادوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ آپ مرگی کے مریض تھے۔لیکن اس خیال کی کوئی حقیقی بنیاد نہیں۔مرگی انسان کو ذہنی اور جسمانی طور پر کمزور کر دیتی ہے لیکن محمدﷺ کی ذات میں اس قسم کے آثار نظر نہیں آتے۔اس کے برعکس آخر تک آپﷺ ذہنی اور جسمانی طور پر صحیح اور سلامت تھے''۔

مختصر یہ کہ کوئی ایسا واضح اور ٹھوس ثبوت نہیں ہے کہ جس کے تحت حضور ﷺ کو مرگی کا مریض قرار دیا جائے اور بے شمار مستشرقین آپ ﷺ کے مخالف ہونے کے باوجود اس الزام کی تردید کرتے ہیں۔

اپنی رسالت پر حضور ﷺ کے ایمان کو مشکوک ثابت کرنے کی کوشش:

مستشرقین نے اس بات کو ثابت کرنے کی بھی کوشش کی ہے کہ ابتدا میں حضور ﷺ کو نہ تو یقین تھا کہ آپ کے پاس جو کلام آتا ہے وہ خدا کا کلام ہے اور نہ ہی آپ کو یہ پتہ تھا کہ یہ کلام لانے والا خدا کا فرشتہ جبریل امینؑ ہے اور نہ آپ ﷺ کو یہ علم تھا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، بلکہ ابتدا میں آپ اللہ کے تصور سے بھی نا آشنا تھے اور یہ چیزیں آپ ﷺ پر وقت کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ منکشف ہوئیں۔ واٹ ایک مقام پر لکھتا ہے:

"It is not surprising that Muhammad is reported to have been assailed by fears and doubts. There is evidence for this in the Quran as well as in the narratives of his life, though it is not certain that at what period he received the Quranic assurances that God had not forsaken him". (45)

''اس بیان میں حیران ہونے کی کوئی بات نہیں کہ محمد ﷺ خوف اور شکوک میں مبتلا ہوئے اس بات کا ثبوت قرآن میں بھی موجود ہے اور سیرت کی کتابوں میں بھی، اگرچہ یقین کے ساتھ یہ کہنا ممکن نہیں کہ قرآن کے ذریعے آپ کو یہ یقین دہانی کس موقع پر کرائی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو چھوڑا نہیں''۔

یہی مستشرقین نزول وحی کے ابتدائی دور میں حضور ﷺ کی بے یقینی کو ان الفاظ میں پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

"Soon after the first revelation, he is said to have been encouraged to believe in his vocation by his wife Khadija and, more particularly by her cousin Warqah". (46)

''ابتدائی وحی نازل ہونے کے بعد خدیجہؓ نے یقین دلایا کہ آپ ﷺ اللہ کے نبی ہیں اور خدیجہ سے بھی زیادہ یہ یقین دہانی آپ کو ورقہ بن نوفل نے کرائی''۔

جب یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ حضور ﷺ کو ابتدا میں اپنے نبی ہونے کا یقین نہ تھا اور نہ ہی آپ کو یقین تھا کہ آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے تو مستشرقین کا کام مکمل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے بعد اسلام کو الہامی دین ماننے اور

حضورﷺ کو خدا کا سچا نبی ماننے کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی، جب ایک نبی کو اپنے نبی ہونے کا یقین دوسروں کے بتانے سے آئے تو اس کی صداقت کو دوسرے لوگ کیسے تسلیم کریں گے۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ حقانیت اسلام صبح روشن کی طرح واضح ہے اس لئے تمام تر دشنام طرازیوں کے باوجود واٹ اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے کہ کٹھن مشن کے لئے یقین کامل لازمی ہے۔

مستشرقین کے خیال میں نبوت نتیجہ تھی ان کی طویل خود خیالی(auto suggestion) یا خود الیعاذی اور القائے نفس کا، وہ خواب بہت دیکھا کرتے تھے، وحی بھی بطور خواب دیکھا کرتے تھے، وہ بزعم خود اس خام خیالی میں مبتلا تھے کہ ان پر وحی نازل ہوتی ہے، حالانکہ یہ محض ایک ڈھونگ تھا، بہرحال دوسروں کو یہ یقین دلانے کے لئے ان پر وحی اترتی ہے، محمدﷺ نے ایک سفید دودھیا رنگ کے کبوتر یا فاختہ کو سدھا رکھا تھا، جو اُن کے کندھے پر بیٹھا رہتا اور وقفہ وقفہ سے چونچ مار مار کر ان کے کان میں سے دانے چگا کرتا تھا، اور اس طرح وہ دوسروں پر یہ تاثر قائم کرتے تھے کہ فرشتہ ربانی (جبرئیلؑ) ان پر وحی نازل کر رہا ہے اور انہیں املا کرا رہا ہے۔(47)

انہیں (نعوذ باللہ) اعصابی مرض لاحق تھا اور وہ توہمات، فریب حسّی میں مبتلا تھے۔نزول وحی کے وقت مرگی کا دورہ پڑتا تھا۔مرگی زدہ تو نہیں البتہ جنونی ضرور تھے، کیونکہ وہ غیر متوازن اعصابی مزاج والے آدمی تھے۔ اعصابی دورے پڑتے تھے اور وہم ہو جاتا تھا کہ تابع الہام ہیں۔یہ نولدیکی کے ذہن کا اختراع اور بوالعجبی ہے۔ اپنے الہامی اور الہیاتی مشن کے بارے میں خود مشکوک ومتذبذب تھے۔میور کے نزدیک ابتداءً انہیں بالکل یقین نہیں تھا کہ وہ خدا کی طرف سے فرستادہ ہیں۔البتہ ایک طویل عرصہ تک شک وتذبذب میں مبتلا رہنے کے بعد بالآخر آمادہ بہ تبلیغ ہوئے۔(48)

یہ الزام سراسر واقعات کے خلاف ہے، اور تاریخی اعتبار سے گمراہ کن ہے۔اگر ذرا بھی تذبذب ہوتا تو اپنی زوجۂ محترمہ خدیجہؓ کو، اپنے بھائی علیؓ کو اپنے جگری دوست ابوبکرؓ کو کیونکر مطمئن کرتے، مذہبیت اور الٰہیات کی تشکیل میں شام کے مسیحی اثرات کو بڑا دخل تھا۔ان کو بائیبل کی تعلیمات کا علم تھا۔نبوت کا تسلسل برقرار نہیں رہا، یہ منٹگمری واٹ کا مفروضہ ہے، اس کی دلیل یہ دی ہے کہ مدنی زندگی کے ابتدائی زمانہ میں کچھ عرصہ یہود مدینہ سے مطالبہ نہیں کیا تھا کہ وہ ان کو نبی ورسول کی حیثیت سے تسلیم کرلیں۔(49)

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اُن کے لغو خیال میں نبی کاذب تھے۔وہ (نعوذ باللہ) مکار، دغاباز، مدعیٔ کاذب تھے، شیطان کے آلۂ کار، اور اس کے توہین آمیز جاسوس تھے، ترویج واشاعت مذہب کے لئے تشدد کا سہارا لیا، اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا۔حطی (Hitti) کے خیال میں حضورﷺ کے ابتدائی حالات کا پتہ نہیں چلتا اور لامنس

کے نزدیک ان کی مکی زندگی کے حالات محض افسانہ (fiction) ہیں، اصل استفادہ عیسائیت سے کیا، چنانچہ مسیحی نسطوری راہب بحیرہ سے خاص ملاقات رہی، مستشرقین کے نزدیک ایک مقبول عام وزنی الزام یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی زندگی مکہ تک پیغمبرانہ رہی، لیکن مدینہ جا کر بادشاہی میں بدل گئی، اور وہاں لشکر کشی انتقام خونریزی کا بازار گرم کر دیا۔

دنیاداروں کی سی حکمت عملی اور بہانہ جوئی اختیار کی۔ میور لکھتا ہے: ''کار نبوت کی ابتدا میں تو ایمانداری سے یہودی اور عیسائی طور طریقوں اور نظام کو اپنایا گیا اور اپنے مذہب کی انہیں بنیاد بنایا گیا، لیکن جب مطلب حاصل ہو گیا اور اقتدار حاصل ہو گیا، تو ان سے برأت ظاہر کی اور پھر انہیں بالکل مردہ قرار دیدیا''۔ اسلام کو یہودیت سے بدلنے کی کوشش کی۔(50)

واٹ لکھتا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ جا کر یہ کوشش کی کہ اسلام کو مذہب قدیم ''یہودیت'' سے بدل دیا جائے۔ تحویل قبلہ، ایک خاص وقت کے بعد یہودیت وعیسائیت سے بیزاری کی کوشش ہے۔ شاید اسلام یہودیت کا ایک حصہ یا فرقہ بن جائے۔ محمد ﷺ نے مسلمانوں کو اپنے آپ کی پرستش کی دعوت دی۔ منشور مدینہ (Charter of Madinah) میں حضور ﷺ کا مقام ومرتبہ غیر معین تھا۔ حضور ﷺ کی ہجرت سے قریش مکہ بڑے خوش ہوئے۔(51)

مارگولیتھ لکھتا ہے کہ ''عین ممکن ہے کہ قریشی سردار (محمد ﷺ کی ہجرت کے بعد) آپس میں ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے ہوں کہ وہ اپنے ایک تکلیف دہ ہم وطن سے بغیر کسی خون خرابے کے نجات پا گئے''۔(52)

مارگولیتھ کی یہ خیال آفرینی بھی تاریخی واقعات کے بالکل خلاف اور لغو ہے۔ محمد ﷺ نے قریش مکہ کو (بلاوجہ) اپنے خلاف بھڑکایا، غزوات محض لوٹ مار کی مہمیں تھیں، اور عربوں کی غربت وتنگدستی دور کرنے کا ذریعہ، بعض یورپی مصنفین کا خیال ہے کہ آنحضرت ﷺ کا لایا ہوا انقلاب اور مذہبی اصلاحات اس لئے کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتیں کہ وہاں کا ماحول دراصل ان کے موافق اور مناسب تھا، اور اہل عرب مذہبی معاشرتی تبدیلی کے متلاشی اور پیاسے تھے۔ جنگ موتہ اس جنگ کا مقصد متعین کرنا مشکل ہے۔(53)

وحی پر اعتراض:

مستشرقین کا یہ کہنا کہ کیفیتِ وحی مرگی کی بیماری تھی قطعاً نامعقول ہے بوجوہات ذیل کہ:

1۔ صرع یا مرگی کی بیماری میں مرض کے دورے کے قوت جو واردات ہوتے ہیں مریض کو فاقہ کی حالت

میں اس کا قطعاً علم نہیں ہوتا کہ اس پر کیا وارد ہوا اور کس طرح وارد ہوا۔ اس حقیقت پر قدیم اطباء اور جدید ڈاکٹر متفق ہیں جس کو محمد حسین ہیکل مصری نے حیات محمد میں نقل کیا ہے۔ لیکن وحی نبویؐ کی حالت اس کے خلاف تھی۔ وحی کے دوران کے تمام الفاظ وحی زوالِ کیفیت وحی کے بعد آپ کو یاد رہتے تھے اور وحی کی پوری کیفیت آپ کے حافظے میں ہوتی تھی۔ لہٰذا مرگی کا تخیل صرف الزام تراشی ہے۔

2۔ دوم یہ کہ مرگی کے ساتھ زمین پر گر پڑنا، منہ میں سے جھاگ نکلنا، انگلیوں کا سکڑ جانا لازمی ہے لیکن یہاں ان میں سے کوئی چیز نہیں۔

3۔ سوم یہ کہ وحی کی حالت میں جو پیغام آپ کو دیا گیا، جس کا نام قرآن ہے، اور جس کی لفظی اور معنوی حیرت انگیز معجزانہ خوبیوں سے دنیا بھر کے حکماء اور عقلاء عاجز ہیں اور جس کی اصلاحی تاثیر کا یہ عالم ہے کہ بہت کم عرصہ میں اس نے عرب اور ماوراء عرب کے ان انسانوں کو جن کی زندگی سیاہ اور پر از معاصی تھی اور نا قابل اصلاح تھی ایسے درندہ صفت انسانوں کو حضرت نے ایسی پاکیزہ زندگی عطا کی کہ تاریخ انسانیت میں اس کی نظیر نہیں۔ وہ عبادت الٰھی خشیۃ اللہ اخلاق میں بے مثال حسن معاملات جہاں بانی جہاں داری، عدل وانصاف میں یکتا بن گئے۔ کیا کسی مرگی والے کی بات میں بھی اس قسم کا اثر ممکن ہے۔

4۔ چہارم یہ کہ نبوت کا زمانہ تیئیس سال سے زیادہ ہے۔ اگر اتنی طویل مدت تک کوئی اس موذی مرض کا شکار ہو تو ضرور اس کی صحت خراب ہو جاتی ہے لیکن پیغمبر اسلام علیہ السلام کی صحت کا یہ حال تھا کہ تریسٹھ سال کی عمر تک جسمانی اور دماغی قوت آپ کی بے نظیر تھی اور سر اور داڑھی مبارک دونوں میں بہ مشکل بیس بال سفید ہوئے ہوں گے۔ جو انتہائی صحت کی نشانی ہے۔

5۔ پنجم یہ کہ تیرہ سو سال بعد کے دشمنوں نے آپ کے متعلق یہ فرضی جھوٹ تراشا لیکن جو دشمن آپ کے زمانے میں موجود تھے اور آپ کی حالت کا دن رات مشاہدہ کرتے تھے جن میں مشرکین یہود اور نصاریٰ تھے، ان میں کسی ایک فرد نے بھی آپ کی ذات کی نسبت مرض مرگی کا الزام نہیں لگایا، حالانکہ ان دشمنوں کو اس الزام تراشی کی زیادہ ضرورت تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ وہ باحیاء اور کسی قدر انسانی شرافت اور راست گوئی کی اہمیت کے قائل تھے اور اہل استشراق اس سے محروم ہیں۔ (54)

خلاصہ:

یہ کہنا تحصیل حاصل ہوگا کہ برصغیر پاک و ہند میں فن سیرت نگاری کے آغاز کے محرکات، خارجی عوامل تھے۔ تاہم اسے عروج و دوام داخلی کوششوں کے نتیجے میں حاصل ہوا۔ پیغمبر اسلامﷺ کی ذات اقدس اور کردار و کارناموں کے خلاف عیسائی مشنریوں اور مستشرقین کی مذموم سرگرمیوں کو خارجی عوامل ہی کہا جاسکتا ہے جس کے مقابلے میں مسلم علماء و دانشوروں نے اپنے پیغمبرﷺ کے خلاف کذب و افترء کا نہ صرف دفاع کیا بلکہ حضور اکرمﷺ کی سیرت و کردار کے مختلف پہلوؤں کا اجاگر کیا۔ اس ضمن میں سرسید احمد خان اور ان کے رفقاء مولوی چراغ علی، سید امیر علی اور مولانا ابوالکلام آزاد نے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ یہ وہ مرحلہ تھا جب سیرت نگاری میں مختلف رجحانات کے ساتھ مختلف مکاتب فکر بھی وجود میں آئے۔ یہ صحیح ہے کہ سرسید احمد خان اور انکے رفقاء کی سیرت نگاری پر اس وقت کے مخصوص سیاسی ہ تہذیبی غلبہ کے اثرات نمایاں ہیں اور روایتی اصول ونظریات کے مقابلے میں جدیدیت اور عقلیت پسندی کا رجحان غالب ہے۔ تاہم اس طور میں بھی روایت پسندی نمایاں نہ سہی لیکن اس کو وجود ضرور موجود تھا۔ سیرت نگاری میں مولود ناموں کا وجود اس کا ایک ثبوت ہے اگر چہ مولود نامے اور منظوم سیرت نگاری اپنی ضعیف اور وضعی روایت کی وجہ سے تنقید نشانہ رہی۔ لیکن عوام الناس میں اس کی مقبولیت کسی بھی درجہ میں کم نہیں ہوئی۔

سیرت نگاری میں جدیت اور روایت پسندی کی دو انتہاؤں کے درمیان ''دارالمصنفین'' کا کردر ایک معتدل اور متوازن علمی تحریک کے روپ میں سامنے آیا اور اس نے سیرت نگاری کو دینی، علمی، تاریخی اور تہذیبی رجحان سے روشناس کرایا۔ اس حوالے سے علامہ شبلی نعمانی کی سات جلدوں میں ''سیرت النبیﷺ'' فن سیرت نگاری میں رجحان ساز تصنیف ہے۔ علامہ شبلی نے سیرۃ النبیﷺ کو جن جدید، دینی و علمی اور تاریخی و تہذیبی اصولوں اور مقاصد کے پیش نظر رکھا اس نے سیرت نگاری کے فن کو معراج کی بلندیوں پر پہنچایا۔ 1919ء سے 1947ء کے درمیان سیرت کی کئی معرکتہ الاراء تصانیف منصۂ شہود پر آئیں اس عہد کی تصانیف میں مولانا حکیم ابوالبرکات عبدالروٗف قادری داناپوری کی اصح السیر پر مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی سیرت المصطفیٰﷺ سمیت بیسیوں کتب سیرت سیرت نگاری ایک انقلاب برپا کیا۔ زیر نظر عہد میں محض کتب سیرت میں ہی اضافہ نہیں ہوا بلکہ سیرت کو مختلف مقاصد اور زاویوں سے قلمبند کیا جس کے نتیجے میں سیرت نگاری میں علمی، تاریخی، دعوتی اور اصلاحی رجحانات بھی سامنے آئے۔ میں نے اپنے مطالعہ تحقیق میں اس عہد کی کتب سیرت میں ان رجحانات کی نشاندہی کی ہے یہ امر

ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ مذکورہ عہد میں اس عہد کے سیرت نگاروں کی دینی علمی وفکری وسعت مطالعہ کے نتیجے میں سیرت نگاری کو جو عروج حاصل ہوا وہ انتہائی قابل قدر ہونے کے ساتھ اس وقت کے عصری مسائل اور تقاضوں کے پیش نظر نہایت رفیع الشان قرار دیا جاسکتا ہے۔

آزادی کے بعد سیرت نگاری میں مقصدیت کا اصول ونظریہ ایک نئی جہت کے ساتھ سامنے آیا جس کے نتیجے میں سیرت نگاری میں دعوتی واصلاحی رجحان، تحریکی وانقلابی رجحان کے ساتھ ساتھ عوامی رجحان کا بھی اضافہ ہوا۔ آزادی کے بعد سیرت نگاری کے مذکورہ رجحانات نے سیرت کی مقصدیت واہمیت کو جس طرح نمایاں کیا اسے سیرت نگاری کا حاصل قرار دیا جاسکتا ہے۔

حوالہ جات

1۔ دکتور محمد احمد دیاب، ''اضواء علی الاستشراق والمستشرقین''، قاہرہ، 1989ء) ص10

2۔ دکتور محمد ابرہیم الفیومی، ''الاستشراق رسالتہ الاستعمار''، (قاہرہ 1993ء) ص143

3۔ معلوف، لوئس، اب، ''المنجد فی الاعلام''، دار شرق بیروت، 1976ء،

4۔ ''الاستشراق، رسالتہ الاستعمار''، ص142

5. Rodon son, "The western Image and western studies of Islam, published in the Legacy of Islam, edited by C.E. Bosworth. Joseph schcht, oxford University, press, second edition 1979,

6۔ دکتور احمد عبدالحمید غراب، ''رویۃ اسلامیہ للاستشراق''، ریاض، 1988ء ص7

7۔ ایضاً، ص8

8۔ القرآن: آل عمران:69

9۔ ''رویہ اسلامیہ للاستشراق''، ص9

10. "Oxford English Dictionary", Edited by Catherine Soans Angus Sterenson, oxford University press, 2006, 11th Edition, revised p.1008.

11۔ حالی، الطاف حسین، مولانا، ''حیات جاوید''، لاہور آرٹ پریس، 1971ء، ج2، ص124

12۔ سید احمد خان، سر، ''خطبات احمدیہ''، ص292

13۔ صفی الرحمٰن، مبارک پوری، ''الرحیق المختوم''، ادارہ اسلامیات، انارکلی لاہور، 1986ء، ص34

14۔ ''محمد ایٹ مدینہ''، منٹگمری واٹ، ص204,205

15۔ ''انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس''، ج8، ص872

16۔ باب فضائل نبی، ج3

17۔ بحوالہ، برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی، لاہور، 158

18۔ شمس الحق، افغانی، علامہ، ''سیرت النبی ﷺ اور مستشرقین''، الحق ماہنامہ، شمارہ8، اکوڑہ خٹک، مئی 1972ء، ج7، ص25، قانون تعدد نکاح پر اعتراض:

19۔ بائبل، پیدائش، باب4، آیت16

20۔ بائبل، پیدائش، باب24، آیت29

21۔ استثناء نمبر15، باب10، آیت21

22۔ شمویل، باب23، آیت16

23۔ سلاطین باب3، آیت11

24۔ شمس الحق، مولانا، علامہ، ''سیرت نبوی ﷺ اور مستشرقین''، ماہنامہ، الحق، شمارہ9، اکوڑہ خٹک، جون 1972ء، ص25-27

25۔ ''محمد پرافٹ اینڈ سٹیٹسمین''، ص14

26۔ منٹگمری واٹ، ''محمد ایٹ مدینہ''، ص310

27۔ منٹگمری واٹ، ''محمد ایٹ مکہ''، ص51

28۔ ''محمد پرافٹ اینڈ سٹیٹسمین''، ص13

29۔ سید احمد خان، سر، ''خطبات احمدیہ''، ص379

30۔ منٹگمری واٹ، ''محمد ایٹ مدینہ''، ص231

31۔ منٹگمری واٹ، ''محمد پرافٹ اینڈ سٹیٹسمین''، ص105

32۔ ایضاً، ص108

33۔ ایضاً، ص108

34۔ منٹگمری واٹ، ''محمد ایٹ مدینہ''، ص45

35۔ القرآن، البقرۃ:190

36۔ القرآن، البقرۃ:193

37۔ القرآن، البقرۃ:194

38۔ القرآن،الانفال:61

39۔ شاہ معین الدین،مولانا،''مستشرقین کے متعلق دو متضاد رائے''،تلخیص وتبصرہ،بحوالہ''اسلام اور مستشرقین''، دارالمصنفین،اعظم گڑھ،ج7،ص171

40۔ شبلی نعمانی،''سیرت النبی ﷺ''،ج1،ص114

41۔ ایضاً،ص328-326

42۔ ایضاً،ص328,329

43۔ القرآن،البقرۃ:256

44۔ منٹگمری واٹ،''محمد پرافٹ اینڈ سٹیٹسمین''،ص191

45۔ ایضاً،ص21

46۔ ایضاً

47۔ ایضاً،ص19

48۔ میور،''لائف آف محمدؐ''،1923ء،ص46,47

49۔ مظہرالدین صدیقی کا مضمون،''اسلامک اسٹڈیز''،اسلام آباد،ج9،نمبر3

50۔ ولیم میور،''لائف آف محمدؐ''،ص135

51۔ واٹ منٹگمری،''محمد پرافٹ اینڈ سٹیٹسمین''،ص20

52۔ مارگولیتھ،ڈی ایس،''محمد اینڈ دی رائز آف اسلام''،ص49

53۔ صدیقی مظہرالدین،ص148 تا150

54۔ شمس الحق مولانا،علامہ،''سیرت النبوی ﷺ اور مستشرقین''،ماہنامہ الحق،شمارہ10،جولائی،1972ء،ص39